ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 0303

Program: Intermediate

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبہ اقبالیات

کورس: اقبالیات - I(303)

سطح: ٹرمبڈ ٹ

سمسٹر: خزاں2026ء

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ: 1 تا5)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 40

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE — For Study & Reference

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ امتحانی مشق کے جوابات اپنے الفاظ میں، نصابی کتاب کے مطالعے کی روشنی میں تحریر کریں؛ گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنا علمی دیانت کے خلاف ہے اور یونیورسٹی کی ہدایات کے مطابق کارروائی کا سبب بن سکتا ہے۔ اشعار کی تکمیل والے سوالات میں جہاں دوسرا مصرع یقینی حوالے کے بغیر نقل نہیں کیا گیا، وہاں شفاف نوٹ دے کر کلیاتِ اقبال سے رجوع کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ غلط شعر طالب علم تک نہ پہنچے۔

سوال نمبر 1۔(الف) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجیے۔(20)

اس سوال میں بیس مختصر سوالات دیے گئے ہیں جو علامہ اقبال کی زندگی، ان کے شعری مجموعوں، خطوط اور سیاسی تاریخ کے بنیادی حقائق سے متعلق ہیں۔ ہر سوال کا جواب نصابی کتاب اور مستند اقبالیاتی لٹریچر کی روشنی میں الگ الگ نمبر کے تحت دیا گیا ہے تاکہ طالب علم امتحانی مشق میں اسی ترتیب سے جواب تحریر کر سکے۔ جہاں کسی شعر کی تکمیل مطلوب ہے اور دوسرا مصرع مستند کلیات کے بغیر یقینی طور پر نقل کرنا ممکن نہیں، وہاں شعر کی تشریح دے کر کلیاتِ اقبال سے رجوع کی صریح ہدایت کی گئی ہے۔

1۔ "حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی آب و ہوا نے مجھے مسلمان کر دیا" یہ الفاظ کس شخصیت کے ہیں؟

یہ الفاظ خود علامہ محمد اقبال کے اپنے ہیں۔ یورپ قیام کے دوران انہوں نے مغربی تہذیب، مادہ پرستی اور الحاد کے ماحول کا قریب سے مشاہدہ کیا تو انہیں اسلام کی حقانیت اور روحانی اقدار کا پہلے سے کہیں گہرا ادراک ہوا۔ یہی تجربہ ان کی فکر میں بنیادی موڑ ثابت ہوا: وہ محض روایتی مسلمان سے بڑھ کر شعوری اور فکری مسلمان بن گئے۔ اسی لیے یہ جملہ ان کی سوانح میں یورپ کے فکری اثرات کی سب سے جامع علامت سمجھا جاتا ہے۔

2۔ شعر مکمل کیجیے: "وہ بادۂ شباب کی سرمستیاں کہاں"

یہ مصرع علامہ اقبال کے کلام میں جوانی کی گم شدہ کیفیت، بے فکری اور جوش و ولولے کی یاد سے متعلق ہے۔ شاعر ماضی کی سرمستیوں کو یاد کر کے حال کی سنجیدگی اور ذمہ داری سے موازنہ کرتا ہے۔ شفافیت کا نوٹ: اس گائیڈ میں اس شعر کا دوسرا مصرع اس لیے ہو بہو نقل نہیں کیا گیا کہ ناقل کو کلیاتِ اقبال کی مستند طباعت سامنے رکھے بغیر اس کی صحت کا کامل یقین نہیں؛ طالب علم دوسرا مصرع نصابی کتاب یا کلیاتِ اقبال (بانگِ درا) سے دیکھ کر مشق میں مکمل شعر تحریر کرے۔ تشریح کے طور پر اتنا سمجھ لیجیے کہ شعر کا مرکزی خیال یہ ہے کہ شباب کی مستیاں گزر گئیں اور اب زندگی فکر، عمل اور مقصد کی سنجیدہ منزل میں داخل ہو چکی ہے۔

3۔ (Stray Reflections) کس کی تصنیف ہے؟

Stray Reflections (بکھرے خیالات) خود علامہ اقبال کی انگریزی تصنیف ہے۔ یہ دراصل ان کی ذاتی ڈائری کے منتخب اندراجات ہیں جو انہوں نے 1910ء کے لگ بھگ قلم بند کیے۔ ان میں فلسفہ، مذہب، ادب، سیاست اور انسانی نفسیات پر مختصر مگر گہرے فکری جملے ملتے ہیں۔ یہ کتابچہ اقبال کے ذہن کی ابتدائی فکری ساخت، ان کے مطالعے کی وسعت اور انگریزی نثر پر ان کی قدرت کو سمجھنے کا اہم ماخذ ہے اور بعد کی بڑی فکری تحریروں کی تمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔

4۔ سائمن رپورٹ پر اقبال کا ردِ عمل کیا تھا؟

سائمن کمیشن کی آمد پر برصغیر کی بڑی جماعتوں میں اختلاف تھا؛ ایک گروہ بائیکاٹ کا حامی تھا جبکہ مسلم لیگ کا وہ دھڑا جس سے اقبال وابستہ تھے، کمیشن سے تعاون کے حق میں تھا تاکہ مسلمانوں کا آئینی موقف پوری قوت سے پیش کیا جا سکے۔ اقبال کا ردِ عمل اصولی تھا: وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بائیکاٹ کی نعرہ بازی کے بجائے اپنے آئینی حقوق، جداگانہ انتخابات اور صوبائی خود مختاری کے مطالبات دستاویزی شکل میں پیش کریں۔ ان کے نزدیک اصل مقصد انگریز کی خوشنودی نہیں بلکہ مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کا تحفظ تھا۔

5۔ ”بولشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے“ اقبال کو یہ کیوں کہنا پڑا؟

بعض حلقوں نے اقبال کی بعض نظموں، خصوصاً مزدور اور سرمایہ داری پر ان کی تنقید اور ”لینن“ جیسی نظموں کو دیکھ کر ان پر اشتراکیت نوازی کا الزام لگایا۔ اقبال نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے واضح اعلان کیا کہ وہ سرمایہ پرستی کے مخالف ضرور ہیں مگر اشتراکیت کے خدا بیزار اور مادیت پرست فلسفے کو اسلام سے متصادم سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک معاشی انصاف اسلام کی اپنی تعلیم ہے، اس کے لیے کسی الحادی نظریے کا سہارا لینا خود کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے مترادف ہے۔

6۔ اقبال انگلستان سے واپس لاہور کب پہنچے؟

علامہ اقبال ستمبر 1905ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے؛ کیمبرج سے فلسفے کی تعلیم، لندن سے بیرسٹری اور پھر میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کے بعد انہوں نے وطن واپسی کا سفر کیا اور 1908ء میں لاہور پہنچے۔ ان کی واپسی محض تعلیم کی تکمیل نہیں تھی بلکہ ایک نئی فکری شخصیت کی واپسی تھی: وہ مغربی فلسفے کی گہری سمجھ کے ساتھ ساتھ اسلام اور مشرقی اقدار کے نئے شعور کے ساتھ لوٹے، جس نے آگے چل کر ان کی شاعری اور سیاست دونوں کا رخ متعین کیا۔

7۔ "مدیرِ مخزن" سے کون مراد ہے؟

"مدیرِ مخزن" سے مراد شیخ عبدالقادر ہیں، جو لاہور سے شائع ہونے والے مشہور ادبی رسالے "مخزن" کے مدیر تھے۔ شیخ عبدالقادر اقبال کے قریبی دوست، ان کی شاعری کے پہلے بڑے قدر دان اور بانگِ درا کے دیباچہ نگار تھے۔ انہی کا رسالہ مخزن اقبال کے ابتدائی کلام کی اشاعت کا اہم ذریعہ بنا اور انہی کی حوصلہ افزائی سے اقبال کا کلام ادبی حلقوں میں متعارف ہوا۔ اردو ادب کی تاریخ میں مدیرِ مخزن کا لقب سنتے ہی شیخ عبدالقادر کی شخصیت ذہن میں آتی ہے۔

8۔ "بانگِ درا" کا دیباچہ کس نے لکھا؟

بانگِ درا کا دیباچہ شیخ عبدالقادر نے لکھا۔ 1924ء میں شائع ہونے والے اقبال کے پہلے اردو شعری مجموعے کے اس دیباچے میں انہوں نے اقبال کی شاعری کی خصوصیات، ان کے کلام کے تین ادوار اور اردو شاعری میں ان کے مقام پر روشنی ڈالی۔ یہ دیباچہ اقبال شناسی کی ابتدائی اہم تحریروں میں شمار ہوتا ہے کیونکہ لکھنے والا شاعر کا ہم عصر، دوست اور ان کے کلام کا پہلا ناشر تھا۔ آج بھی اقبال کے ابتدائی دور کو سمجھنے کے لیے اس دیباچے کو بنیادی حوالہ مانا جاتا ہے۔

9۔ نظم "طلوعِ اسلام" علامہ اقبال نے کب اور کہاں پڑھی تھی؟

نظم "طلوعِ اسلام" علامہ اقبال نے 1923ء میں لاہور میں انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں پڑھی۔ یہ نظم جنگِ عظیم کے بعد ترکوں کی فتح، خصوصاً مصطفیٰ کمال کی کامیابیوں کے پس منظر میں لکھی گئی اور اس میں مسلمانوں کے نئے عروج کی نوید دی گئی ہے۔ "دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی" جیسے اشعار اسی نظم کی پہچان ہیں۔ نظم کو جلسے میں غیر معمولی پذیرائی ملی اور یہ اقبال کی ملّی شاعری کے اہم سنگِ میل میں شمار ہوتی ہے۔

10۔ "جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی" شعر مکمل کیجیے۔

مکمل شعر یوں ہے: "جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی / کھلتا ہے غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی"۔ اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ عشق انسان کو اپنی ذات کی پہچان سکھاتا ہے اور جب غلام قوم خود آگاہی حاصل کر لیتی ہے تو اس پر بادشاہی کے راز کھل جاتے ہیں، یعنی آزادی اور اقتدار کا راستہ خودی کی بیداری ہی سے نکلتا ہے۔ یہ شعر اقبال کے فلسفۂ خودی اور عشق کے باہمی تعلق کی خوب صورت ترین مثالوں میں سے ہے اور بالِ جبریل و ضربِ کلیم کے مجموعی پیغام کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔

11۔ "بالِ جبریل" کی تیسری بڑی نظم کون سی ہے؟

بالِ جبریل کی بڑی نظموں میں "مسجدِ قرطبہ" کو سب سے طویل اور نمائندہ نظم مانا جاتا ہے، جبکہ نظموات کی ترتیب میں تیسری بڑی نظم کے طور پر نصابی روایت میں "ساقی نامہ" کا نام لیا جاتا ہے جس میں شاعر ساقی سے خطاب کر کے زندگی، عمل اور نوجوانوں کی بیداری کا پیغام دیتا ہے۔ شفافیت کا نوٹ: بڑی نظموں کی یہ ترتیب نسخوں اور شارحین کے ہاں گنتی کے فرق سے مختلف بھی ملتی ہے، اس لیے طالب علم اپنے امتحان کے لیے نصابی کتاب میں دی گئی ترتیب کو حتمی سمجھے؛ تاہم "ساقی نامہ" کا بالِ جبریل کی اہم طویل منظومات میں شمار ہر روایت میں متفق علیہ ہے۔

12۔ اقبال نے "ضربِ کلیم" کی نظموں کے کتنے عنوانات قائم کیے ہیں؟

ضربِ کلیم میں اقبال نے اپنی نظموں کو بڑے موضوعاتی حصوں یعنی عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے جن کی تعداد چھ بیان کی جاتی ہے: اسلام اور مسلمان، تعلیم و تربیت، عورت، ادبیات و فنونِ لطیفہ، سیاستِ مشرق و مغرب، اور مصنف کے افکار و اعلانات سے متعلق حصہ۔ کتاب کا ذیلی عنوان "اعلانِ جنگ دورِ حاضر کے خلاف" اس کے مزاج کو ظاہر کرتا ہے۔ شفافیت کا نوٹ: بعض طباعتوں میں تمہید کو الگ شمار کرنے سے گنتی میں معمولی فرق آ جاتا ہے، اس لیے نصابی کتاب کی گنتی کو ترجیح دی جائے۔

13۔ اقبال کے نزدیک مغربی اور مشرقی درسگاہوں کے نظریۂ تعلیم میں کون سے دو نمایاں نقائص تھے؟

اقبال کے نزدیک مغربی تعلیم کا بڑا نقص یہ تھا کہ وہ روح اور اخلاق سے خالی محض مادی اور ذہنی تربیت دیتی ہے، جس سے انسان مشین کا پرزہ بن جاتا ہے اور اس کی خودی مر جاتی ہے۔ مشرقی درسگاہوں، خصوصاً خانقاہی اور روایتی نظام کا نقص ان کے نزدیک عمل سے فرار، تقلید اور جمود تھا جس نے مسلمان کو زندگی کی کشمکش سے دور کر دیا۔ اقبال ایسی تعلیم چاہتے تھے جو عقل کے ساتھ عشق، علم کے ساتھ کردار اور خودی کی تربیت کو بھی شامل کرے، جیسا کہ وہ مدرسے اور مکتب پر اپنی تنقیدی نظموں میں بیان کرتے ہیں۔

14۔ علامہ اقبال کا آخری شعری مجموعہ کون سا ہے؟

علامہ اقبال کا آخری شعری مجموعہ "ارمغانِ حجاز" ہے جو ان کی وفات کے بعد 1938ء میں شائع ہوا۔ اس میں اردو اور فارسی دونوں زبانوں کا کلام شامل ہے۔ اقبال حج کی سعادت کی آرزو رکھتے تھے مگر علالت کے باعث سفر نہ کر سکے؛ یہ مجموعہ اسی آرزو اور ان کے آخری دور کی روحانی کیفیت کا آئینہ دار ہے، اسی لیے اسے "ارمغان" یعنی روحانی تحفہ کہا گیا۔ اس کی نظموں میں ابلیس کی مجلسِ شوریٰ جیسی شاہکار منظومات شامل ہیں جو ان کی فکری پختگی کا آخری نمونہ ہیں۔

15۔ دسمبر 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد کی صدارت کس نے کی؟

دسمبر 1930ء میں الٰہ آباد میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت خود علامہ محمد اقبال نے کی۔ اسی اجلاس میں انہوں نے اپنا تاریخی صدارتی خطبہ پیش کیا جس میں شمال مغربی ہندوستان کے مسلم اکثریتی صوبوں کو ملا کر ایک علیحدہ مسلم ریاست کے قیام کی تجویز پیش کی گئی۔ یہ خطبۂ الٰہ آباد بعد میں تحریکِ پاکستان کی نظریاتی بنیاد بنا اور اقبال کو پاکستان کے نظریاتی بانی کا درجہ ملا۔ اردو و سیاسی تاریخ میں یہ اجلاس اقبال کی سیاسی زندگی کا سب سے اہم واقعہ شمار ہوتا ہے۔

16۔ "خطوطِ اقبال بنام قائداعظم" میں کون سا خط مباحث کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہم ہے؟

خطوطِ اقبال بنام قائداعظم کی اس خط و کتابت میں 28 مئی 1937ء والا خط مباحث کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہم قرار دیا جاتا ہے۔ اس خط میں اقبال نے قائداعظم کو مشورہ دیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مسائل کا حل ایک علیحدہ وفاق میں ہے جس میں مسلم اکثریتی صوبے شامل ہوں، اور مسلمانوں کے لیے شریعت کے نفاذ اور معاشی انصاف پر بھی زور دیا۔ یہ خط محض سیاسی مشورہ نہیں بلکہ علیحدہ وطن کے تصور کی واضح ترین دستاویزی صورت ہے، اسی لیے محققین اسے تحریکِ پاکستان کی تاریخ کا کلیدی خط مانتے ہیں۔

17۔پاکستان میں علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات کا انعقاد کس سن میں ہوا؟

علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات کا انعقاد 1977ء میں ہوا، کیونکہ اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ 1977ء کو پاکستان سمیت دنیا بھر میں "سالِ اقبال" کے طور پر منایا گیا؛ سیمینار، کانفرنسیں، کتب کی اشاعت اور یادگاری ڈاک ٹکٹوں کا اجرا اس تقریبات کا حصہ تھا۔ ان تقریبات نے اقبال شناسی کو نئی جہت دی اور ان کے کلام و افکار پر تحقیق کا ایک نیا دور شروع ہوا جس کے اثرات آج تک علمی و ادبی حلقوں میں نظر آتے ہیں۔

18۔خطوطِ اقبال بنام قائداعظم کے مباحث میں سے کسی دو کے نام بتایئے۔

خطوطِ اقبال بنام قائداعظم کے دو نمایاں مباحث یہ ہیں: اول، ہندوستان کے مسلم اکثریتی صوبوں پر مشتمل علیحدہ مسلم وفاق یا ریاست کی تجویز، جسے نظریۂ پاکستان کی فکری بنیاد کہا جاتا ہے۔ دوم، پنجاب میں مسلم لیگ کی تنظیمِ نو اور قائداعظم کی قیادت کو مضبوط بنانے کی ضرورت، جس کے لیے اقبال نے قائداعظم کو پنجاب آنے اور لیگ کو عوامی جماعت بنانے کی ترغیب دی۔ ان کے علاوہ ان خطوط میں اسلامی قانون کے نفاذ، روٹی کے معاشی مسئلے اور ہندو مسلم تنازع کے حل پر بھی اہم مباحث ملتے ہیں جن میں سے کوئی دو مباحث امتحان میں لکھے جا سکتے ہیں۔

19۔پنجاب میں مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کے سلسلے میں قائداعظم لاہور کب تشریف لائے؟

پنجاب میں مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح 1936ء میں لاہور تشریف لائے۔ اقبال نے اپنی خطوط میں بار بار قائداعظم پر زور دیا تھا کہ پنجاب مسلم سیاست کا مرکز ہے اور یہاں لیگ کی مضبوط تنظیم کے بغیر مسلمانوں کا مستقبل محفوظ نہیں۔ قائداعظم کے اس دورے اور اس کے بعد کی کوششوں سے پنجاب مسلم لیگ بتدریج منظم ہوئی، جو آگے چل کر 1940ء کی قراردادِ لاہور اور قیامِ پاکستان کی راہ ہموار کرنے میں فیصلہ کن ثابت ہوئی۔

20۔علامہ اقبال کے مطابق برصغیر میں ہندو مسلم فسادات کے اسباب اصل میں کیا تھے؟

علامہ اقبال کے مطابق برصغیر میں ہندو مسلم فسادات کی اصل بنیاد مذہبی اختلاف بذاتِ خود نہیں بلکہ سیاسی اور معاشی اسباب تھے۔ ان کے نزدیک انگریز کی "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی، جداگانہ سیاسی مفادات کی کشمکش، ملازمتوں اور نمائندگی پر مقابلہ اور دونوں قوموں کے الگ تہذیبی تشخص نے فضا کو پراگندہ کیا۔ قائداعظم کے نام خطوط میں اقبال اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جب تک مسلمانوں کے سیاسی و معاشی حقوق کا منصفانہ حل نہیں نکلتا، فسادات ختم نہیں ہوں گے؛ اسی لیے وہ علیحدہ سیاسی انتظام کو ہی پائیدار حل سمجھتے تھے۔

سوال نمبر 2۔ انگلستان سے واپسی سے 1918ء تک اقبال کے حالاتِ زندگی پر نوٹ تحریر کیجیے۔ (20)

تعارف

علامہ اقبال 1908ء میں یورپ سے واپس لاہور پہنچے تو وہ ایک بدلے ہوئے انسان تھے۔ تین سال کے قیام نے انہیں مغربی فلسفے کی گہری سمجھ بھی دی تھی اور اسلام کی صداقت کا نیا شعور بھی۔ واپسی سے 1918ء تک کا دس سالہ عرصہ ان کی زندگی میں تعمیرِ شخصیت، وکالت کے پیشے، تدریس، شاعری کے تیسرے دور کے آغاز اور ملّی بیداری کی سرگرمیوں کا دور ہے۔ اس عرصے میں وہ قانون دان، استاد، شاعر اور مسلمانوں کے فکری رہنما کی حیثیت سے بیک وقت ابھرے۔

اس دور کو سمجھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اقبال کی بعد کی تمام عظمت کی جڑیں یہیں ملتی ہیں۔ شکوہ (1909ء) اسی دور میں لکھا گیا، اسرارِ خودی (1915ء) اسی دور کی فکری پیداوار ہے اور رموزِ بے خودی (1918ء) اسی دور کے اختتام پر شائع ہوئی۔ یوں یہ دہائی اقبال کو علاقائی شاعر سے اٹھا کر عالمِ اسلام کے مفکر کے مقام تک لے گئی۔

وکالت، تدریس اور معاشی زندگی

واپسی کے بعد اقبال نے لاہور ہائی کورٹ میں وکالت کا آغاز کیا۔ بیرسٹر ہونے کے باوجود انہوں نے وکالت کو محض پیشہ رکھا، مقصد نہیں بنایا؛ ان کی دلچسپی ہمیشہ علم و فکر میں رہی۔ اسی دوران انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کی تدریس بھی کی اور اورینٹل کالج سے بھی وابستگی رہی۔ تدریس نے ان کے فلسفیانہ ذہن کو مزید نکھارا اور نوجوان طلبہ کی ایک نسل ان سے متاثر ہوئی۔

معاشی اعتبار سے یہ دور آسان نہ تھا۔ خاندانی ذمہ داریاں، بھائی کی معاونت اور وکالت کی محدود آمدنی کے باوجود اقبال نے کبھی دولت کو مقصد نہیں بنایا۔ انہی دنوں ان کی ذاتی زندگی میں آزمائشیں بھی آئیں، اہلیہ کی بیماری اور پھر وفات جیسے صدمات نے ان کی شاعری کو درد اور گہرائی عطا کی، مگر ان آزمائشوں نے ان کے عزم کو کمزور کرنے کے بجائے ان کی خودی کو مزید پختہ کیا۔

شاعری کا تیسرا دور: شکوہ سے اسرارِ خودی تک

ادبی اعتبار سے یہ دور اقبال کی شاعری کے تیسرے دور کا آغاز ہے۔ 1909ء میں لکھی گئی نظم "شکوہ" نے برصغیر کے مسلمانوں میں تہلکہ مچا دیا؛ یہ مظلوم ملت کی اپنے خالق سے شکایت تھی جس نے خفتہ ضمیروں کو جھنجھوڑا۔ 1911ء میں انجمن حمایتِ اسلام کے جلسے میں یہ نظم پڑھی گئی اور 1913ء میں "جوابِ شکوہ" نے اسی سلسلے کو منطقی انجام دیا۔ اب اقبال کی شاعری کا مخاطب فرد نہیں، پوری ملت تھی۔

1915ء میں فارسی مثنوی "اسرارِ خودی" شائع ہوئی جس نے اقبال کو بین الاقوامی شہرت دی۔ اس میں خودی کا فلسفہ پہلی بار منظم صورت میں پیش ہوا، اور پروفیسر نکلسن کے انگریزی ترجمے نے یورپ کے علمی حلقوں کو اقبال سے متعارف کرایا۔ 1918ء میں "رموزِ بے خودی" آئی جس میں فرد کے بعد ملت اور اجتماع کا فلسفہ بیان ہوا۔ یوں اس دہائی کے آخر تک اقبال کی فکر کا بنیادی ڈھانچا، خودی و بے خودی، مکمل ہو چکا تھا۔

ملّی و سیاسی سرگرمیوں کی ابتدا

اس دور میں اقبال کی عملی سیاست ابھی ابتدائی مرحلے میں تھی مگر ان کی ملّی خدمات نمایاں تھیں۔ وہ انجمن حمایتِ اسلام اور انجمن کشمیری مسلمانان جیسے اداروں سے وابستہ رہے، تعلیمی اداروں کی سرپرستی کی اور مسلمان نوجوانوں کی رہنمائی کو اپنا فرض سمجھا۔ جنگِ بلقان (1912-13ء) کے دوران انہوں نے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی اور ترکوں کی حمایت میں آواز اٹھائی؛ یہ وہی پس منظر ہے جس میں "جوابِ شکوہ" کا جلسہ چندے کے لیے منعقد ہوا۔

پہلی جنگِ عظیم (1914-18ء) کے سالوں میں اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کی بے چینی کو قریب سے دیکھا۔ خلافتِ عثمانیہ کے انجام اور مسلمانوں کے عالمی زوال نے ان کی فکر کو مزید ہمہ گیر بنایا۔ انہوں نے شاعری کو محض جمالیات سے نکال کر پیغام اور عمل کا وسیلہ بنالیا۔ اسی لیے اس دور کے آخر میں اقبال صرف شاعر نہیں رہے بلکہ قوم کے فکری معمار کے طور پر پہچانے جانے لگے تھے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ 1908ء سے 1918ء تک کی دہائی اقبال کی زندگی کا تعمیری دور ہے۔ وکالت، تدریس سے روزگار، شکوہ و جوابِ شکوہ سے عوامی مقبولیت، اور اسرار و رموز سے فلسفیانہ عظمت حاصل ہوئی۔ ذاتی صدمات اور معاشی تنگی کے باوجود ان کی خودی مضبوط ہوئی۔ اسی مضبوط بنیاد پر اگلی دہائی میں ان کی سیاسی قیادت اور خطبۂ الٰہ آباد جیسے کارنامے استوار ہوئے۔ طالب علم کے لیے اس دور کا مطالعہ اقبال کی پوری زندگی کو سمجھنے کی کنجی ہے۔

مزید وضاحت: شخصیت کی تعمیر کا دور

اس دور کی ایک اور نمایاں بات یہ ہے کہ اقبال نے اسی عشرے میں فلسفے کی باقاعدہ تدریس اور علمی مجالس کے ذریعے نوجوانوں کی ایک پوری نسل تیار کی۔ ان کے شاگرد اور سماعت کرنے والے بعد میں پاکستان کی فکری و تعلیمی زندگی میں نمایاں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کا اثر صرف کتابوں تک محدود نہیں تھا؛ ان کی شخصیت خود ایک درسگاہ تھی جہاں بیٹھ کر لوگ زندگی کے مسائل پر سوچنے کا سلیقہ سیکھتے تھے۔

ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ اسی دور میں انہوں نے اپنے خاندانی اور سماجی تعلقات کو نبھاتے ہوئے ادب اور ملت کی خدمت جاری رکھی۔ یہ توازن ان کی خودی کی عملی تصویر ہے: وہ نہ دنیا سے بھاگے، نہ دنیا میں گم ہوئے۔ طالب علم جب اس دور کو پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ واقعات کی ترتیب سے آگے بڑھ کر یہ دیکھے کہ ایک بڑا انسان مشکل حالات کو اپنے مقصد کی خام مال کیسے بناتا ہے؛ اقبال کی 1908ء تا 1918ء کی زندگی اسی سبق کی سب سے روشن مثال ہے۔

حاصلِ مطالعہ

اس دور کا مطالعہ کرتے ہوئے طالب علم کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اقبال کی سوانح لکھنے والوں نے اسی عشرے کو ان کی زندگی کا "دورِ جدوجہد" کہا ہے، کیونکہ اس میں انہیں ایک ساتھ کئی محاذوں پر کام کرنا پڑا: پیشہ، درس، شاعری، خاندان اور ملت۔ ایسے میں ان کی کامیابی کا راز وقت کی تنظیم اور مقصد کی وضاحت تھی۔ اسی سے یہ سبق نکلتا ہے کہ بڑے کام شور سے نہیں، مستقل مزاجی سے ہوتے ہیں۔ اقبال نے وکالت کے دفتر، کالج کے کمرے اور انجمن کے جلسے، ہر جگہ اپنا پیغام مختلف زبان میں پیش کیا۔ یہ ہم آہنگی ان کی شخصیت کی وحدت کو ظاہر کرتی ہے۔ امتحانی نقطۂ نظر سے اس سوال میں تاریخوں کے ساتھ واقعات کی اہمیت لکھنا جواب کو مضبوط کرتا ہے۔

سوال نمبر 3۔ وطن واپسی کے بعد اقبال کی سیاسی سرگرمیوں کی تفصیلات بیان کیجیے۔ (20)

تعارف

علامہ اقبال اگرچہ بنیادی طور پر شاعر و مفکر تھے، مگر وطن واپسی (1908ء) کے بعد وہ برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی زندگی سے گہرائی سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی سیاست نعرے یا عہدے کی سیاست نہیں تھی بلکہ نظریے اور سمت کی سیاست تھی۔ وہ قانونی آئینی جدوجہد کے حامی تھے اور مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کے تحفظ کو اپنی سیاست کا محور مانتے تھے۔ آئندہ سطور میں ان کی سیاسی سرگرمیوں کو ادوار کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔

اقبال کی سیاست کو سمجھنے کی کلید یہ ہے کہ وہ سیاست کو دین اور ملت سے الگ نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی سیاسی تنظیم دراصل ان کی تہذیبی بقا کا سوال تھا۔ اسی لیے وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو استعمال کرتے رہے، مگر جب بھی اصول اور مفاہمت میں ٹکراؤ ہوا تو انہوں نے اصول کا ساتھ دیا اور وقتی فوائد کو ٹھکرا دیا۔

ابتدائی سیاسی وابستگی اور کونسل کی رکنیت

واپسی کے بعد اقبال آل انڈیا مسلم لیگ سے وابستہ ہوئے اور پنجاب کی مسلم سیاست میں سرگرم کردار ادا کرنے لگے۔ 1926ء میں وہ پنجاب قانون ساز کونسل کے رکن منتخب ہوئے جہاں انہوں نے مسلمانوں کے تعلیمی، معاشی اور آئینی مسائل پر مدلل آواز اٹھائی۔ کونسل میں ان کی تقاریر جذبات کے بجائے دلائل پر مبنی ہوتی تھیں؛ انہوں نے اوقاف، تعلیم اور مسلم طلبہ کے وظائف جیسے موضوعات پر عملی تجاویز پیش کیں۔

سائمن کمیشن کے موقع پر اقبال نے مسلم لیگ کے اس دھڑے کا ساتھ دیا جو کمیشن سے تعاون کر کے مسلمانوں کا آئینی مقدمہ پیش کرنے کے حق میں تھا۔ منتخب نمائندگی، جداگانہ انتخابات اور صوبائی خود مختاری ان کے مستقل مطالبات تھے۔ انہوں نے نہرو رپورٹ (1928ء) کو مسلمانوں کے حقوق کے خلاف سمجھا اور اس کی مخالفت میں قائد اعظم کے چودہ نکات کی حمایت کی، کیونکہ ان کے نزدیک مشترکہ انتخابات مسلمانوں کو سیاسی طور پر ختم کر دیتے۔

خطبۂ الٰہ آباد اور نظریۂ علیحدہ وطن

اقبال کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ دسمبر 1930ء کا خطبۂ الٰہ آباد ہے۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے مطالبہ کیا کہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک علیحدہ مسلم ریاست قائم کی جائے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی بڑے مسلم رہنما نے واضح لفظوں میں جداگانہ وطن کا نظریہ پیش کیا، اسی لیے اقبال کو مُصوّرِ پاکستان کہا جاتا ہے۔

خطبے میں اقبال نے دلیل دی کہ ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ تہذیبوں کا مجموعہ ہے؛ مسلمانوں کا مذہب ان کی پوری زندگی کا نظام ہے، اس لیے مغربی جمہوریت کی عددی اکثریت ان کے تشخص کو نگل لے گی۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ علیحدہ ریاست خود مسلمانوں کے لیے بھی اور ہندوستان کے امن کے لیے بھی بہتر حل ہے۔ یہ خطبہ اقبال کی سیاسی بصیرت کا شاہکار ہے جس نے آئندہ سیاست کی سمت متعین کر دی۔

گول میز کانفرنسیں اور آخری سیاسی کردار

اقبال نے 1931ء اور 1932ء میں لندن کی دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت کی۔ وہاں انہوں نے وفاقی آئین میں صوبائی خود مختاری، اقلیتوں کے تحفظات اور مسلم اکثریتی صوبوں کے حقوق پر موقف پیش کیا۔ اسی سفر میں انہوں نے یورپ اور عالمِ اسلام کے دانشوروں سے ملاقاتیں کیں اور فلسطین کے مسئلے پر مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی۔

زندگی کے آخری سالوں میں علالت کے باوجود اقبال کی سیاسی رہنمائی جاری رہی۔ 1936-37ء کے خطوط میں انہوں نے قائداعظم کو پنجاب کی سیاست، مسلم لیگ کی تنظیمِ نو اور علیحدہ وطن کی جدوجہد کے بارے میں مشورے دیے۔ 1937ء کے انتخابات کے بعد انہوں نے وزارتوں کی سیاست کے بجائے نظریاتی جدوجہد پر زور دیا۔ ان کا انتقال 21 اپریل 1938ء کو ہوا، مگر ان کا نظریہ نو سال بعد پاکستان کی صورت میں حقیقت بن گیا۔

نتیجہ

مجموعی طور پر اقبال کی سیاسی سرگرمیاں تین ستونوں پر کھڑی ہیں: آئینی جدوجہد پر یقین، مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کا تحفظ، اور علیحدہ وطن کا نظریہ۔ وہ عملی سیاست دان کم اور نظریاتی رہنما زیادہ تھے؛ ان کی اصل خدمت یہ ہے کہ انہوں نے بے سمت بھیڑ کو منزل کا تصور دیا۔ قائداعظم نے خود اقبال کو اپنا رہنما اور دوست قرار دیا، جو اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اقبال کی سیاسی بصیرت نے تحریکِ پاکستان کو فکری بنیاد فراہم کی۔

مزید وضاحت: سیاسی فکر کی انفرادیت

اقبال کی سیاسی سرگرمیوں کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے کبھی مقبولیت کے لیے اصول پر سمجھوتا نہیں کیا۔ جب کونسل میں مسلم مفاد کے خلاف تجویز آئی تو انہوں نے اپنے ہی حلقے کے بڑے لوگوں سے اختلاف کیا، اور جب نہرو رپورٹ آئی تو انہوں نے اس کی اصولی خامیاں گنوا کر بتائیں کہ مسلمان اسے کیوں قبول نہیں کر سکتے۔ سیاست میں یہ بے باک اصول پسندی انہیں عام سیاست دانوں سے الگ کرتی ہے اور ان کے نظریاتی کردار کو واضح کرتی ہے۔

یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اقبال نے سیاست کو شاعری سے اور شاعری کو سیاست سے تقویت دی۔ ان کی نظمیں جلسوں میں سیاسی شعور بیدار کرتیں اور ان کی تقاریر ادبی ذوق رکھتی تھیں۔ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں بہت کم شخصیات ایسی ہیں جن کے پاس بیک وقت قلم کی تاثیر اور منبر کی دلیل موجود ہو۔ اقبال کے بعد قائداعظم نے اسی نظریاتی سرمایے کو تنظیمی شکل دی؛ یوں دونوں کی خدمات ایک دوسرے کی تکمیل ہیں اور تحریکِ پاکستان ان دونوں کے اشتراک کا نتیجہ ہے۔

حاصلِ مطالعہ

اس بحث کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اقبال کی سیاست نے اردو کے سیاسی ادب کو بھی متاثر کیا۔ ان کی تقاریر و خطوط میں وہ بلندی برقرار رہی جو ان کے شعر میں ہے؛ یہ اتفاق اردو کے کم سیاست دانوں کو نصیب ہوا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے سیاسی خیالات پر مسلسل بحث ہوتی رہی: کسی نے انہیں صرف نظریہ ساز کہا، کسی نے عملی سیاست کا معمار بھی مانا۔ مگر دونوں فریق اس نکتے پر متفق ہیں کہ پاکستان کا تصور ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ طالب علم اس سوال کے جواب میں واقعات کے ساتھ اقبال کے اصول، جداگانہ تشخص، آئینی جدوجہد اور علیحدہ وطن، کو نمایاں رکھے تو جواب مربوط ہو گا اور اس دائرے میں ان کی پوری سیاسی زندگی آ جائے گی۔

سوال نمبر 4۔ "بالِ جبریل" کی فکری و فنی خصوصیات بیان کیجیے۔ (20)

تعارف

بالِ جبریل علامہ اقبال کا دوسرا اردو شعری مجموعہ ہے جو 1935ء میں شائع ہوا۔ اس کا نام فرشتے جبریل کے پر سے اخوذ ہے جو وحی اور آسمانی پیغام کی علامت ہے۔ یہ مجموعہ اقبال کی پختہ فکر کا آئینہ ہے: بانگِ درا میں جو سوالات اٹھائے گئے تھے، ان کے جوابات یہاں فلسفیانہ اعتماد کے ساتھ ملتے ہیں۔ اس میں غزلیں بھی ہیں اور مسجدِ قرطبہ، لینن اور ساقی نامہ جیسی عظیم نظمیں بھی، اس لیے اسے اقبال کا سب سے متوازن مجموعہ کہا جاتا ہے۔

بالِ جبریل کی اشاعت کے وقت اقبال کی عمر اور تجربہ دونوں پختگی پر تھے۔ انہوں نے یورپ کو بھی دیکھا تھا، سیاست کی عملی پیچیدگیاں بھی جھیل لی تھیں اور خطبۂ الٰہ آباد بھی پیش کر چکے تھے۔ یہ سب تجربات اس کتاب کے اشعار میں پختہ حکمت بن کر ڈھل گئے ہیں۔ اسی لیے ناقدین بالِ جبریل کو پڑھے بغیر اقبال کی فکر کی تکمیل کا تصور نہیں کرتے۔

فکری خصوصیات: خودی، عشق اور عمل

بالِ جبریل کی پہلی فکری خصوصیت خودی کی تربیت کا عملی پروگرام ہے۔ یہاں خودی محض فلسفیانہ تصور نہیں رہی بلکہ زندگی گزارنے کا منشور بن گئی ہے۔ شاعر نوجوان کو شاہین کی طرح بلند پروازی، خودداری اور مسلسل جستجو کی تلقین کرتا ہے۔ غزلوں میں بھی یہی پیغام ملتا ہے کہ انسان اپنی تقدیر کا خالق خود عمل سے بنتا ہے۔

دوسری خصوصیت عشق کی برتری ہے۔اس مجموعے میں عقل کو محدود اور عشق کو راہنما قرار دیا گیا ہے؛ لینن خدا کے حضور میں اور مسجدِ قرطبہ جیسی نظموں میں مادی نظاموں پر تنقید اور روحانی اقدار کی فتح کا بیان ہے۔ مسجدِ قرطبہ میں ماضی کی عظمت کا نوحہ نہیں بلکہ یہ سبق ہے کہ جو قوم عشق و عمل زندہ رکھتی ہے وہی زمانے پر غالب آتی ہے۔ یوں کتاب کا فکری مرکز انسان کی بیداری اور ملت کی نشاۃِ ثانیہ۔ ہے۔

فنی خصوصیات: غزل کی تجدید اور نئی ترکیبات

فنی اعتبار سے بالِ جبریل نے اردو غزل کو نئی زندگی دی۔ اقبال نے غزل کے روایتی مضامین کو فلسفے، سیاست اور ملت کے مسائل سے جوڑ دیا؛ اب غزل میں محبوب کی زلف کے ساتھ ساتھ خودی، تقدیر اور زمانے کی باتیں بھی ہونے لگیں۔ انہوں نے پرانی بحریں بھی استعمال کیں اور مطلع و مقطع کی روایت کے اندر رہتے ہوئے اشعار کو نظم جیسی وحدتِ خیال عطا کی، جسے ناقدین غزل کی نئی صورت کہتے ہیں۔

زبان و بیان میں بالِ جبریل کی سادگی اور سلاست قابلِ ذکر ہے۔ فارسی آمیز مگر رواں اردو، نئی ترکیبات جیسے بالِ جبریل، ذوق و شوق، اور علامتوں کا بھرپور نظام اس کتاب کی پہچان ہے۔ شاہین، ساقی، قلندر، مومن اور ابلیس جیسی علامتیں یہاں مکمل پختگی کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں۔ ترنم اور موسیقیت بھی کمال پر ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے اشعار سب سے زیادہ زبان زدِ عام ہوئے۔

نظموں کی انفرادیت

اس مجموعے کی نظموں میں موضوعاتی تنوع نمایاں ہے: مسجدِ قرطبہ تاریخ و تہذیب کا فلسفہ ہے، لینن سرمایہ دارانہ نظام پر تنقید ہے، فرشتوں کا گیت انسان کی روحانی ترقی کا منظر ہے اور ساقی نامہ نوجوانوں کے لیے دعوتِ عمل ہے۔ ہر نظم اپنے موضوع کے مطابق الگ لہجہ اور ہیئت رکھتی ہے، جو اقبال کی فنی قدرت کا ثبوت ہے۔ نظموں میں مکالمہ، منظر نگاری اور خطابیہ انداز کا امتزاج قاری کو فکر کے ساتھ جمالیاتی لذت بھی دیتا ہے۔

غزلوں اور نظموں کا یہ امتزاج بالِ جبریل کو اقبال کے دوسرے مجموعوں سے ممتاز کرتا ہے۔ بانگِ درا میں جوش زیادہ تھا، ضربِ کلیم میں وعظ و تنقید غالب ہے، مگر بالِ جبریل میں فکر، فن اور جذبے کا توازن سب سے زیادہ ہے۔ یہی توازن اس کتاب کو اقبال کے فن کا نقطۂ عروج بناتا ہے، اور اسی لیے اس کے متعدد اشعار ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ بالِ جبریل فکری طور پر خودی، عشق، عمل اور ملّی بیداری کا منشور ہے اور فنی طور پر غزل کی تجدید، علامت نگاری اور ترنم کا شاہکار ہے۔ اسے پڑھ کر طالب علم اقبال کی پختہ فکر اور بالغ فن دونوں کو ایک ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ ہر دور کے ناقد نے اس کتاب کو اقبال کی شاعری کا کمال قرار دیا ہے، اور یہ درجہ اس کے فکری گہرائی اور فنی توازن ہی کی بدولت حاصل ہوا ہے۔

مزید وضاحت: بالِ جبریل کا مقام

بالِ جبریل کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اس کی غزلوں نے مشاعرے اور محفل کی فضا بدل دی۔ سامعین ان اشعار کو سنتے تو محض داد نہیں دیتے تھے، وہ اپنے آپ سے سوال کرنے لگتے تھے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے اشعار خطبات، مضامین اور نعروں میں سب سے زیادہ استعمال ہوئے۔ اس مقبولیت نے اردو شاعری کو ایک بار پھر عوامی زندگی کے مرکز میں لا کھڑا کیا، حالانکہ یہ دور نثر اور صحافت کے عروج کا تھا۔

ناقدین کا اتفاق ہے کہ اگر اقبال کی زندگی میں صرف یہ ایک کتاب چھپتی تب بھی ان کا نام اردو کے بڑے شعرا میں محفوظ رہتا۔ اس میں شامل نظم ”مسجدِ قرطبہ“ کو تو بعض ناقدین اردو کی سب سے بڑی نظم قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس میں تاریخ، فلسفہ، جمالیات اور پیغام ایسی مکمل ہم آہنگی میں ہیں جو کم ہی نصیب ہوتی ہے۔ ساتھ دیا گیا جدول اور زمانی خط (timeline) ان مجموعوں کی ترتیب سمجھنے میں طالب علم کی مدد کرے گا۔

حاصلِ مطالعہ

بالِ جبریل کے مطالعے میں طالب علم یہ بھی دیکھے کہ اس کتاب نے آئندہ نسل کے شعرا کو کس طرح متاثر کیا۔ جدید اردو غزل کی فکری گہرائی، نظم کی خطابی قوت اور علامتوں کا شعوری استعمال، یہ تینوں اثرات اسی کتاب سے آگے بڑھے۔ بعض ناقدین نے اسے اقبال کی "بالغ ترین کتاب" کہا ہے کیونکہ یہاں نوجوانی کا جوش تجربے کی حکمت میں ڈھل گیا ہے مگر جذبے کی حرارت کم نہیں ہوئی۔ یہی غیر معمولی امتزاج کتاب کو ہر دور میں تازہ رکھتا ہے۔ اس سوال کے جواب میں فکری و فنی خصوصیات کے الگ الگ عنوانات رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ بکلیٹ کا سوال دونوں پہلوؤں کو صریحاً طلب کرتا ہے؛ دونوں کو گڈمڈ کرنے سے نمبر کم ہو سکتے ہیں، اس لیے یہ گائیڈ دونوں کو الگ بیان کرتی ہے۔

ایک آخری نکتہ

ایک آخری نکتہ یہ کہ بالِ جبریل کی قرأت آج بھی اس لیے ضروری ہے کہ یہ کتاب نوجوان کو مایوسی کے مقابلے میں حوصلے کی زبان دیتی ہے۔ جب قاری اپنے دور کی مشکلات میں اس کتاب کو کھولتا ہے تو اسے ہر صفحے پر یہ یقین ملتا ہے کہ حالات انسان کو نہیں بناتے، انسان اپنی خودی سے حالات بناتا ہے۔ یہی زندہ پیغام اس کتاب کو کلاسیکی حیثیت دیتا ہے اور اسی وجہ سے اس سوال کو نصاب میں نمایاں جگہ ملی ہے۔

سوال نمبر 5۔ قائداعظم کے نام اقبال کے خطوط کے حوالے سے برصغیر کے سیاسی پس منظر پر نوٹ تحریر کیجیے۔ (20)

تعارف

1936ء اور 1937ء میں علامہ اقبال نے قائداعظم محمد علی جناح کو متعدد خطوط لکھے جو پاک و ہند کی سیاسی تاریخ کی اہم ترین دستاویزات میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ خطوط اس وقت لکھے گئے جب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت صوبائی خودمختاری آنے والی تھی، انتخابات کا مرحلہ قریب تھا اور مسلمان اپنی سیاسی منزل کے بارے میں غیر یقینی کا شکار تھے۔ ان خطوط کو سمجھنے کے لیے اس دور کے سیاسی پس منظر کو جاننا ضروری ہے۔

پس منظر یہ تھا کہ کانگریس ہندو اکثریت کی بنیاد پر پورے ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی تھی، مسلم لیگ کمزور اور بکھری ہوئی تھی، اور انگریز آئینی اصلاحات کے ذریعے اقتدار کی بتدریج منتقلی کی تیاری کر رہا تھا۔ اقبال نے اس نازک موڑ پر قائداعظم کو خطوط کے ذریعے وہ فکری رہنمائی دی جس نے آگے چل کر تحریکِ پاکستان کی شکل اختیار کی۔

سیاسی پس منظر: کانگریس، لیگ اور انگریز

1930ء کی دہائی کے آغاز میں کانگریس سول نافرمانی اور مکمل آزادی کی تحریکوں سے گزر چکی تھی جبکہ مسلم لیگ قیادت کے بحران اور اندرونی اختلافات کا شکار تھی۔ قائداعظم کچھ عرصہ لندن میں مقیم رہے اور 1934ء میں واپس آ کر لیگ کی قیادت سنبھالی۔ اقبال کے خطوط اسی دور میں شروع ہوتے ہیں جب لیگ کو نظریہ، تنظیم اور عوامی رابطے، تینوں کی ضرورت تھی۔

دوسری طرف برطانوی حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ وفاقی مرکز میں اقتدار اس طرح منتقل ہو کہ مسلمان اکثریتی صوبے بھی مرکزی اکثریت کے رحم و کرم پر رہیں۔ اقبال اس خطرے کو بھانپ چکے تھے۔ ان کے خطوط میں مرکز کی مضبوطی کے بجائے صوبائی خودمختاری اور مسلم علاقوں کے علیحدہ وفاق پر اصرار اسی پس منظر کی پیداوار ہے۔ انہیں یقین تھا کہ عددی جمہوریت مسلمانوں کے لیے سیاسی موت ہے۔

خطوط کے اہم مباحث

خطوط کا پہلا بڑا مبحث علیحدہ مسلم ریاست کا تصور ہے۔ 28 مئی 1937ء کے خط میں اقبال نے واضح لکھا کہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وفاق ہی ان کے مسائل کا حل ہے اور یہ تجویز انہوں نے خطبۂ الٰہ آباد کی توسیع کے طور پر پیش کی۔ یہی وہ نکتہ ہے جس سے یہ خطوط نظریۂ پاکستان کی دستاویزی بنیاد بن جاتے ہیں اور اقبال کو اس کا اولین معمار ثابت کرتے ہیں۔

دوسرا مبحث مسلم لیگ کی تنظیمِ نو اور پنجاب کی سیاست ہے۔ اقبال نے قائداعظم کو پنجاب آنے، لیگ کو عوامی جماعت بنانے اور جاگیر دار سیاست سے آگے بڑھنے کی ترغیب دی۔ تیسرا مبحث معاشی ہے: اقبال نے روٹی کے مسئلے کو مسلمانوں کا اصل مسئلہ کہا اور اسلامی معاشی انصاف اور شریعت کے نفاذ کی بات کی۔ ان مباحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کی سیاست محض آئینی نہیں، تہذیبی و معاشی بھی تھی۔

خطوط کی تاریخی اہمیت

ان خطوط کی اہمیت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ خود قائداعظم نے اقبال کو اپنا رہنما تسلیم کیا اور ان کی وفات پر انہیں اپنا دوست، فلسفی اور رہنما قرار دیا۔ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ 1940ء کی قراردادِ لاہور کے نظریاتی خدوخال اقبال کے خطبے اور خطوط ہی میں پہلے سے موجود تھے۔ یہ خطوط طالب علم کو بتاتے ہیں کہ بڑی تحریکیں محض جلسوں سے نہیں، خاموش فکری خط و کتابت سے بھی جنم لیتی ہیں۔

ادبی و تاریخی دستاویز کے طور پر بھی یہ خطوط انمول ہیں کیونکہ ان میں ایک مفکر کے اندازِ فکر، دلائل کی ترتیب اور قومی درد کی جھلک ملتی ہے۔ اقبال کی اردو و انگریزی نثر کی یہ مثالیں آنے والی نسلوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ شرط یہ ہے کہ انہیں اس دور کے پس منظر کے ساتھ پڑھا جائے، جس کے بغیر ان کے بہت سے اشارے سمجھ میں نہیں آتے؛ یہی کام اس نوٹ میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نتیجہ

آخر میں کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کے خطوط بنام قائداعظم برصغیر کی اس سیاسی کشمکش کا فکری جواب ہیں جو کانگریس کی اکثریت پسندی، انگریز کی آئینی چالوں اور مسلمانوں کی بے یقینی سے پیدا ہوئی تھی۔ ان خطوط نے قائداعظم کو نظریاتی وضاحت اور اقبال کو تاریخ میں مصورِ پاکستان کا مقام دیا۔ ان کا مطالعہ ہر اس طالب علم کے لیے ناگزیر ہے جو قیامِ پاکستان کے نظریاتی اسباب کو جڑ سے سمجھنا چاہتا ہے۔

مزید وضاحت: خطوط کی زبان اور استدلال

ان خطوط کی زبان بھی مطالعے کے لائق ہے۔ اقبال نے جذباتی نعروں کے بجائے ٹھنڈے دلائل، تاریخی حوالوں اور واضح تجاویز کا انداز اپنایا۔ کہیں وہ مردم شماری اور صوبوں کی آبادی کے اعداد لاتے ہیں، کہیں اسلامی تاریخ سے مثال دیتے ہیں اور کہیں قائداعظم کو عملی قدم، جیسے پنجاب کا دورہ، تجویز کرتے ہیں۔ یہ انداز بتاتا ہے کہ خطوط محض مکاتبت نہیں، باقاعدہ دستاویزی سیاست ہیں جو مکمل سوچ کے ساتھ کی گئی۔

مزید یہ کہ اقبال نے بعض خطوط میں یہ بھی لکھا کہ اگر لیگ ان کی تجاویز پر عمل نہ کرے تو بھی ان کی وفاداری قائداعظم کے ساتھ رہے گی۔ یہ جملہ ان کی غیر تِ مقصد کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ عہدے یا شہرت کے طلب گار نہیں تھے۔ ایسے کردار کی خطوط اس لیے بھی محفوظ رکھے جاتے ہیں کہ آنے والی قیادت کے لیے یہ تربیت کا خزانہ ہیں: مقصد واضح ہو تو ذرائع کی کمی منزل کو نہیں روک سکتی۔

حاصلِ مطالعہ

اس سوال کا حاصل یہ ہے کہ خطوط محض دو اشخاص کی نجی تحریریں نہیں رہیں بلکہ قومی تاریخ کی امانت بن گئیں۔ اقبال کی وفات کے بعد جب یہ خطوط شائع ہوئے تو بہت سے ایسے سوالات کے جواب ملے جو تحریکِ آزادی کی تاریخ میں ادھورے تھے، مثلاً علیحدہ وطن کا خیال پہلے کس کے ذہن میں اور کس صورت میں آیا۔ مورخ آج بھی ان خطوط کی تاریخوں کو حوالہ بنا کر بحث کرتا ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ اس نوٹ میں سیاسی پس منظر اور خطوط کے مباحث کو الگ الگ بیان کرے، تاکہ یہ واضح رہے کہ حالات کیا تھے اور اقبال نے ان حالات میں کیا تجویز کیا؛ اسی فرق سے جواب کی علمی قدر بڑھتی ہے اور یہی اس سوال کا اصل امتحانی تقاضا ہے۔

ضمیمہ: اقبال کے اردو شعری مجموعے — ایک نظر میں

مجموعہ	اشاعت	نمایاں خصوصیت
بانگِ درا	1924ء	پہلا اردو مجموعہ؛ تین ادوار کا کلام؛ دیباچہ شیخ عبد القادر

بالِ جبریل	1935ء	پختہ فکر؛ مسجدِ قرطبہ اور لینن جیسی نظمیں
ضربِ کلیم	1936ء	اعلانِ جنگ دورِ حاضر کے خلاف؛ موضوعاتی حصوں میں منقسم
ارمغانِ حجاز	1938ء (بعد از وفات)	آخری مجموعہ؛ اردو و فارسی کلام

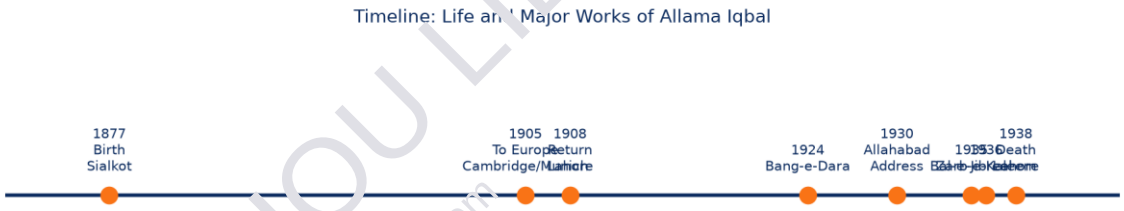

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com